روزہ جسم اور روح کی زکوٰۃ ہے۔

قیام نماز اور مالی قربانی سے خدا آپ میں نور پیدا کرے گا۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 25 رفروری 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیات تلاوت کریمہ کیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ (التوبہ: ۳۴-۳۵)

پھر فرمایا:۔

جن آیات کی میں نے تلاوت کی ہے اس کے مضمون میں داخل ہونے سے پہلے میں ایک اور بات کا اعلان کرنا چاہتا ہوں۔ کل کا دن جماعت کی تاریخ میں ایک بہت ہی روشن دن تھا یعنی 13 رمضان۔ کل سے پورے سوسال پہلے قادیان کے افق پر اور وہ افق مکہ تک پھیلا ہوا تھا خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ تیرہ سوسال میں پہلی بار اس عظیم الشان پیشگوئی کا ظہور ہوا جو حضرت رسول ﷺ کے

مہدی کی صداقت کا نشان تھا۔ وہ پیشگوئی آنحضرت ﷺ کی صداقت کا ایک عظیم نشان تھی اور اس کا ذکر اس حدیث میں ملتا ہے کہ:

''اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا آيَتَيْنِ لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَنْكَسِفُ الْقَمَرُ لِاَوَّلِ لَيْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ وَتَنْكَسِفُ الشَّمْسُ فِي النِّصْفِ مِنْهُ وَلَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔'' (سنن دار قطنی باب صفۃ صلوۃ الخسوف والکسوف)

اس پیش گوئی سے متعلق انشاء اللہ تفصیلی گفتگو تو بعد میں ہوگی لیکن چونکہ کل رمضان مبارک کی وہ تیرہ تاریخ تھی جبکہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے عشاق کی نگاہیں آسمان پر حمد و شکر سے لبریز ہو کر اس حالت میں پڑتی تھیں کہ روحیں سجدہ ریز تھیں اور نظر اس آسمانی نشان پر تھی اور انتظار میں تھے کہ کتنے دن اور سورج کے گرہن کا نشان ظاہر ہونے میں باقی ہیں۔ ایک ایک دن کاٹ کر کٹے اور پھر سورج کی وہ 28 تاریخ پہنچی جس میں دن کے وقت سورج نے بھی گہنایا جانا تھا اور اس طرح حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی عظیم پیشگوئی پوری ہوئی۔

یہ عجیب بات ہے کہ اگر چہ دنیا میں بہت سے مہدویت کے دعوے داروں کا ذکر ملتا ہے لیکن ساری تاریخ کو کھنگال کر دیکھ لو ایک بھی دعوے دار ایسا نہیں جس نے چاند اور سورج کے گرہنوں کو اپنی صداقت کے نشان کے طور پر پیش کیا ہو۔ جو دعوے کے بعد خود منتظر رہا اور اس کے ماننے والے منتظر رہے ہوں کہ کب آسمان سے یہ نشان ظاہر ہوں گے اور ان کے دشمن بھی منتظر رہے ہوں کہ ان نشانات کے ظاہر ہونے سے پہلے یہ دعوے دار مر جائے اور ہم اپنی آنکھوں سے اس کا جھوٹا ہونا دیکھ لیں۔ یہ دوہرے انتظار کی کیفیت تھی جو 1889ء سے شروع ہوئی جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے با قاعدہ مہدویت کے دعوے کے بعد جماعت کی بنیا د رکھی اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ 1894ء میں یہ پیشگوئی اپنی تمام کمال شان کے ساتھ پوری ہوئی۔

ہم اس سال میں داخل ہوئے ہیں جو آسمانی گواہیوں کا سال ہے۔ زمین کی گواہیاں تو یہ لوگ رد کر بیٹھے ہیں اب آسمان سے گواہیاں اتر رہی ہیں اور ٹیلی ویژن کے ذریعے سب دنیا کا جماعت احمدیہ کے پیغام کو سننا بھی ایک آسمانی گواہی ہے اور یہ عجیب اللہ کی شان ہے کہ اسی سال میں

یہ دونوں باتیں اپنے درجہ کمال کو پہنچی ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ کے ان احسانات کا جماعت جتنا بھی شکر ادا کرے اتنا ہی کم ہے مگر ان خوشیوں کے ساتھ کچھ کانٹے بھی تو ہیں وہ کانٹے وہ ہیں جو دشمن کے دل کا عذاب ہے اور ہماری راہ کے کانٹے بن جاتے ہیں اور یہ پیشگوئی بھی لازماً پوری ہونی تھی کیونکہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے ان غلاموں کے حق میں جنہوں نے آخرین میں ظاہر ہونا تھا خصوصیت سے یہ تمثیلی پیش کی گئی تھی کہ ان کی مثال تو ایسے ہی ہے جیسے ایک بیج بویا جائے، اس میں سے کونپل پھوٹے، پھر وہ اپنے ڈنٹھل پر کھڑی ہو کر مضبوط ہونے لگے اور بہت خوش نما دکھائی دے۔ زرّاع وہ بونے والے ہاتھ اور وہ بونے والے دل جنہوں نے اس کھیتی کو بویا ہو اس سے بہت خوشی محسوس کریں۔ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ وہ کھیتی اس شان کے ساتھ نشو ونما پائے کہ بونے والوں کے دلوں کو خوشیوں سے بھر دے۔ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ مگر یاد رکھو کہ ان کے منکر ضرور غیظ وغضب میں مبتلا ہوں گے۔ ایک طرف اس کھیتی کی نشو ونما دلوں کو خوشیوں سے بھر رہی ہوگی اور دوسری طرف ان کے دشمن اسے دیکھ دیکھ کر غیظ وغضب میں مبتلا ہوں گے۔

پہلے زمینی ذرائع سے کام لے کر زمین میں ہونے والے نشانات کے منہ بند کرنے کی کوشش کی جاتی تھی اب آسمان سے نشان ظاہر ہو رہے ہیں۔ بند کر کے دکھاؤ۔ ان کا رستہ روک کر دکھاؤ۔ تم میں طاقت نہیں ہے کہ اس رستے کو روک سکو۔ پھونکوں سے اللہ کے جلائے ہوئے چراغ بھی کہیں بجھائے جاتے ہیں!!

تم نے ربوہ والوں کا چراغاں روک دیا مگر ربوہ کی طرف سے جو چراغاں ہم نے کل عالم کو دکھایا ہے اسے کس طرح روک سکو گے؟ یہ وہ چراغ نہیں ہیں جو تمہاری پھونکوں سے بجھ سکیں۔ تمہارے سینے کی آگ بھی ظاہر ہوتی ہے اور دنیا دیکھتی ہے مگر وہ روشنی کے چراغ جو اللہ نے احمدیوں کے سینوں میں روشن کر دیئے ہیں اور تمام دنیا میں اس سے نور ہی نور پھیل رہا ہے ان کی راہ تم نہیں روک سکتے اور ان شمعوں کو تم نہیں بجھا سکتے۔ یہ آسمان سے نازل ہونے والے نور ہیں ان پر بندے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

پس اہلِ ربوہ کو اب خوش ہونا چاہئے کہ پہلے تو ان کی خوشیوں کی آواز دبا دی جاتی تھی اب

وہ آواز نہیں دبے گی۔ ان کی خوشیاں منانے والے سارے عالم میں ان کی طرف سے خوشیاں منائیں گے اور یہ خوشیوں کے دن بڑھنے والے ہیں پھیلنے والے ہیں روشن سے روشن تر ہونے والے ہیں۔ وہ دن ہیں جو راتوں کو بھی دن بنا دیں گے۔ اس لئے جماعتِ احمدیہ کو ان تکلیفوں پر کسی غم اور دکھ کی ضرورت نہیں۔ یہ ہماری کامیابیوں کا ایک لازمی حصہ ہے۔ قرآن کو کیسے بدلا جا سکتا ہے۔ قرآن کی پیش گوئی ہے کہ تم جب جب آگے بڑھو گے تب تب دشمن کو تکلیف پہنچے گی۔ پس یہ تکلیف بھی ایک نشان ہے اور ہمارا آگے بڑھنا بھی ایک نشان ہے۔ اس راہ میں آگے سے آگے بڑھتے چلو۔ خدا کی تائید تمہارے ساتھ پہلے سے بڑھ کر قوت کے مظاہرے کر رہی ہے، پہلے سے زیادہ بڑھ کر روشن نشان دکھا رہی ہے اس قافلے کا رُخ اب آگے کی طرف اور بلندی کے بلند تر منازل کی طرف ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ جماعت پہلے سے کہیں زیادہ تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے اور بڑھتی چلی جائے گی۔

رمضان مبارک میں دعا مانگیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عباد الشکور بنائے۔ جتنے احسان خدا کے نازل ہوئے ہیں حقیقت میں ہم مجسم شکر بن جائیں، ہمارا رُواں رُواں شکر ہو جائے تب بھی ان کا حق ادا نہیں ہو سکتا اور جو شکر، جتنا بھی ہم ادا کرتے ہیں وہ آسمان پر پھر قبول ہو رہا ہے اور پھر رحمتیں بن کر ہم پر برسنے والا ہے۔

پس یہ تو ایک ایسا دور ہے جو لامتناہی روحانی لذتوں کا دور ہے اب تو نشے میں ڈوب کر آگے بڑھنے کا معاملہ ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ آپ دیکھیں گے کہ دن بدن اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فیض پہلے سے بڑھ کر شان کے ساتھ اتریں گے اور آسمان کے رنگ زمین کے رنگ بدل دیں گے۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی ہے۔ آپ کو الہاماً بتایا گیا تھا کہ آراء تبدیل کی جائیں گی۔ یہ رنگ بدلے جائیں گے اور دیکھیں انشاء اللہ تعالیٰ دن بدن ایسا ہی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جو اس وقت زندہ ہیں اس خوشیوں کی زندگی میں آگے بڑھائے۔ ہم اپنی آنکھوں سے یہ نشان پورے ہوتے دیکھیں اور ہماری آنکھیں ہمارے دل کے لئے مسرتوں کی بارش برساتی رہیں اور ہمارے دل اس سے سیراب ہوتے رہیں۔

قرآن کا محاورہ ہے آنکھیں ٹھنڈی کرنا۔ میں نے جب آنکھوں کی بات کی تو میرے ذہن میں وہ آنکھیں ٹھنڈی کرنے کی بات تھی۔ میں نے سوچا کہ دل کے ٹھنڈا ہونے کا ذکر نہیں، آنکھوں

کے ٹھنڈا ہونے کا ذکر ہے۔اس سے یہ مضمون میرے ذہن میں ابھرا جسے میں نے بیان کرنے میں شروع میں دقت محسوس کی کہ یہ آنکھوں کی ٹھنڈک ہے جو طراوت بن کر دل پر اترا کرتی ہے اور اس سے دل اپنی پاتال تک سیراب ہو جایا کرتا ہے۔ پس قرآن کریم نے بہت ہی پیارا محاورہ استعمال فرمایا ہے کہ قرۃ العین نصیب ہونے کی دعا مانگا کرو تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے قرۃ العین کے سامان فرما دیئے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ بڑھتے چلے جائیں گے۔

اب میں اس آیت کے مضمون کی طرف آتا ہوں جس کی میں نے تلاوت کی تھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے وہ لوگو جو ایمان لائے۔

كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ

بہت سے ایسے دینی علم رکھنے والے اور بظاہر خدا کی یاد میں الگ ہو جانے والے پیر وفقیر یعنی علماء بھی اور پیر بھی ایسے ہیں کہ لوگوں کا مال باطل سے کھاتے ہیں اور باطل ذریعوں سے لوگوں کا مال کھانے والوں کی علامت کیا ہے؟ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وہ اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔اس طرح وہ پہچانے جائیں گے اور عجیب بات ہے کہ جماعت کے مخالفین کا رزق اللہ کے راستے سے روکنے میں رکھا گیا ہے۔قرآن کریم نے دوسری جگہ اس مضمون کو بیان فرمایا ہے۔کیا تم تکذیب میں اپنا رزق پاتے ہو، اس لئے تکذیب کرتے ہو کہ یہاں سے تمہیں رزق ملتا ہے، وہی مضمون ہے جسے یہاں باندھا گیا ہے کہ ایسے حرام مال کھانے والے تمہیں بظاہر نیک لوگوں میں ملیں گے۔ جبہ پوشوں میں ملیں گے علم کا دعویٰ کرنے والے۔خدا کی خاطر دنیا ترک کرنے والوں میں ملیں گے۔مگر ان کی پہچان کیا ہوگی؟ وہ خدا کے راستے میں روکیں ڈالیں گے اور یہی ان کا اموال کے کھانے کا ذریعہ بن جائے گا۔ یہ بات اس میں مضمر ہے لیکن اس کے علاوہ ایک اور گروہ کا بھی ذکر فرمایا ہے وہ ہے۔وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ لیکن کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کمائی خود کرتے ہوں چاہے حلال ذریعے سے کریں چاہے حرام ذریعے سے کریں مگر مال کی محبت ایسی رکھتے ہیں کہ مال کو جمع کرنا ہی ان کی زندگی کا مقصد بن جاتا ہے۔ وہ چاندی اور سونا جمع کرنے میں اپنی عمریں گنوا دیتے ہیں اور ان کی نشانی کیا ہے کہ یہ خدا کو ناراض کرنے والے ہیں؟ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق نہیں پاتے اور یہ وہ دونوں

گروہ ہیں جو درحقیقت منکرین سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دے۔ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ جب ان کی پیشانیاں اس دولت سے جو جمع کی ہے داغی جائیں گی اور ان کے پہلو بھی ان کی پیٹھیں بھی۔ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۔ یہ کچھ ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا پس آج اس اندوختے کا مزہ چکھو جو تم اپنے حق میں جمع کرتے رہے ہو۔ یہ جو نتیجہ ہے یہ دونوں پر برابر صادق آتا ہے۔ دو الگ الگ گروہ بیان ہوئے۔

اب دیکھیں جماعت احمدیہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان سے کتنی مختلف ہے۔ ان دونوں مثالوں پر غور کر کے دیکھیں۔ اس کا برعکس جماعت احمدیہ پر صادق آتا ہے۔ وہ حرام کمائی نہیں کرتے اور اللہ کی راہ سے روکتے نہیں بلکہ اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ کی راہ کی طرف بلانے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ اب یہ لوگ ان سے کتنے مختلف ہیں جن کا اس آیت میں ذکر گزر چکا ہے اور مال اور دولت کی محبت اس حد تک ان کے دلوں میں نہیں ہوتی کہ وہ اس سے دولتوں کے ڈھیر بنانے لگیں جائیں اور اپنے لئے خزانے جمع کرنے لگ مگر جب انہیں خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی طرف بلایا جائے تو اس میں تردد نہ کریں۔

لیکن ایک حصہ اس آیت کا بعض دفعہ مومنوں کی جماعت کے کمزور حصے پر کچھ نہ کچھ صادق آتا ہے۔ یہ دولت کا حصہ ہے، یہ دولت کمانے کا لازمی منفی نتیجہ ہے جو کسی نہ کسی حد تک انسان کو پہنچتا ہے اور وہ یہ ہے کہ دولت کی محبت کے نتیجے میں اس کو بڑھانے کی حرص بڑھتی چلی جاتی ہے اور ایسے لوگ جب وہ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو بسا اوقات ان سے غلطی ہوتی ہے کہ اپنی توفیق کے مطابق نہیں کرتے جبکہ دوسری طرف غریب اپنی توفیق سے بڑھ کر خرچ کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ نظارہ ہم نے بارہا دیکھا ہے۔ ابھی حال ہی میں جب ٹیلی ویژن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے یہ عالمی نشان ظاہر فرمایا تو بغیر مانگے کے از خود جماعت کے مخلصین نے جس طرح روپیہ نچھاور کیا ہے اور احمدی خواتین نے زیور قربان کئے ہیں۔ ایک عجیب روح پرور نظارہ ہے، اس کی مثال باہر دنیا میں کہیں دکھائی نہیں دے گی مگر اس کے ساتھ ہی میں نے یہ دیکھا ہے کہ جوں جوں دولت کی طرف بڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے، خدا کے فضل سے کچھ ایسے انعام یافتہ لوگ بھی ہیں جو دولت میں بڑھنے

کے باوجود خرچ میں بھی خوب آگے بڑھتے ہیں مگر ایسے بھی ہیں کہ وہ خرچ تو کرتے ہیں مگر وہ جانتے ہیں یا خدا جانتا ہے کہ اس توفیق کے مطابق کیا ہے یا نہیں کیا۔ قرآن کریم نے اس کے لئے ایک ایسی پہچان رکھی ہے کہ آیا تم نے اپنی توفیق کے مطابق خرچ کیا ہے کہ نہیں۔ پھر اس سے ہر شخص خود اپنی کیفیت کو جانچ سکتا ہے اور وہ پہچان یہ ہے۔ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۔ وہ خرچ کرتے ہیں خواہ دل میں تنگی محسوس ہو رہی ہو یعنی خرچ کی خواہش کی تنگی نہیں، خرچ کرنے کے نتیجے میں کچھ تکلیف محسوس ہو رہی ہو۔ دوسری جگہ فرمایا وہ خرچ کرتے ہیں جبکہ مال کی محبت ان کی راہ میں حائل ہوتی ہے اور پھر بھی خرچ کرتے ہیں۔ اگر ایک شخص اتنا خرچ کرے کہ مال کی محبت کو نقصان نہ پہنچ رہا تو وہ خرچ کرتے ہیں۔ اگر ایک شخص اتنا خرچ کرے کہ مال کی محبت کو نقصان نہ پہنچ رہا ہو تو وہ خرچ جو ہے وہ توفیق سے کم ہے اگر اتنا خرچ کرے کہ مال کی محبت کو زک پہنچے اور تکلیف محسوس ہو رہی ہو کہ یہ تو میرا جمع کیا ہوا اندوختہ ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے فلاں جگہ میں اسے دوبارہ تجارت میں لگا سکتا تھا اور اتنا زیادہ روپیہ اپنے مال سے نکالنا شاید میرے لئے نقصان کا موجب ہو، جہاں یہ فکروں کی حد شروع ہوتی ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ان آیات کی حد ختم ہو جاتی ہے جن کی میں نے تلاوت کی ہے۔ ان کو اس حد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

پس ہر احمدی کو اپنے نفس کو اس طرح جانچنا چاہئے کہ جو کچھ اللہ نے اسے دیا ہے اس میں سے وہ اس طرح خرچ کرتا ہے کہ نہیں کہ خَصَاصَةٌ کے باوجود پھر بھی خرچ کر رہا ہو اور مال کی محبت حائل ہو رہی ہو اور پھر بھی خرچ کر رہا ہو اگر وہ اس طرح خرچ کرتا ہے تو وہ مقامِ محفوظ پہ ہے اس کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

اس مضمون کا رمضان سے بھی خصوصیت سے تعلق ہے اور جنت میں داخل ہونے سے بھی اس کا ایک خصوصیت سے تعلق ہے اور چونکہ رمضان جنت کے دروازے کھولے ہوئے ہمارے پاس آیا ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ ہم سب کی زندگیوں میں یہ دروازے کھل رہے ہوں گے۔ اس لئے آج میں اس مضمون کو نسبتاً زیادہ کھول کر آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ایک دوسری جگہ فرمایا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ (الاعراف: 41)

کہ یقیناً وہ لوگ جنہوں نے جھٹلا دیا ہماری آیات کو اور تکبر سے کام لیا ان سے وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا یعنی ان سے منہ موڑا ہے تکبر کے باعث۔ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اور ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ اور ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

اب یہی مضمون ہے جسے مسیح علیہ السلام نے ایک اور رنگ میں بیان فرمایا ہے اور بات وہی ملتی جلتی ہے۔

''یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہی میں داخل ہونا مشکل ہے۔''

یہاں متکبر کی بجائے دولت مند کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

''دولتمند کا آسمان کی بادشاہی میں داخل ہونا مشکل ہے اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولتمند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو۔ شاگرد یہ سن کر بہت ہی حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ پھر کون نجات پا سکتا ہے؟ یسوع نے ان کی طرف دیکھ کر کہا کہ یہ آدمیوں سے تو نہیں ہوسکتا لیکن خدا سے سب کچھ ہوسکتا ہے۔'' (متی باب 19 آیات 23 تا 26)

پہلی بات جو اس میں قابلِ غور ہے کہ مثال دونوں جگہ ایک ہی دی گئی ہے۔

کلامِ الٰہی ہے جو مسیح پر نازل ہوتا ہے تو اس مثال کو خاص رنگ میں پیش فرماتا ہے اور جب مذہب درجہ کمال کو پہنچتا ہے اور خاتم النبیین دنیا میں تشریف لاتے ہیں ان کے سامنے یہی مثال ایک مختلف رنگ میں رکھتا ہے۔ کیا ان دونوں میں کوئی قدرِ مشترک ہے؟ پہلی بات تو یہ سوچنے کے لائق

ہے اور قدر مشترک یہ ہے کہ تکبر جس کے خلاف سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا گیا ہے انسان کے اس فرضی حجم کو کہتے ہیں جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ انسان اپنے آپ کو بڑھا لیتا ہے اپنی دانست میں اپنے آپ کو بڑا سمجھ رہا ہوتا ہے اور ہوتا نہیں ہے۔ ایسا ہی ہے جیسے ایک چھوٹی سی کیڑی جو سوئی کے ناکے سے گزر سکتی ہو لیکن اتنا پھلا لے اپنے آپ کو کہ اونٹ کے برابر ہو جائے۔ ایسی کیڑی کا اس ناکے میں سے گزرنا ناممکن ہے جب تک وہ اپنے آپ کو اونٹ سمجھتی یا دنیا کو دکھاتی رہی ہو کہ میں اونٹ جیسی ہوں اور یہ فرضی حجم جو ہے یہ اس کی راہ میں ہمیشہ حائل رہے گا۔

اور مسیح کو جو تمثیل دی گئی ہے وہ دولتمند کی ہے۔ دولتمند بھی موٹا ہو جاتا ہے اور دو رنگ میں موٹا ہوتا ہے ایک تو یہ کہ جمع کرنے کا شوق اتنا بڑھتا جاتا ہے کہ وہ اپنا مالی حجم بڑھانے میں ساری عمر ضائع کر دیتا ہے اور جب تک وہ پھولتا رہے اور پھیلتا رہے اس وقت تک اس کو اطمینان نصیب رہتا ہے۔ جہاں یہ سفر ختم ہو وہیں اس کے لئے عذاب شروع ہو جاتا ہے۔ تو اس کی جنت ہی اس کے پھولنے اور پھیلنے میں ہے یعنی مالی لحاظ سے بڑھنے میں ہے اور ایسے شخص کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے مسیح کو کہ وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

قرآن کریم کی جو مثال میں نے کَنَزْتُمْ والی دی ہے اس میں بھی دراصل یہی مضمون ہے جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ جو مال جمع کرتے ہیں وہ کیوں جنت میں داخل نہیں ہوں گے؟ اس لئے کہ جنت کے رستے چھوٹے اور عاجزی کے رستے ہیں اور حقیقت کے رستے ہیں، سچائی کے رستے ہیں۔ اپنی تمناؤں سے جو جھوٹی شخصیت تم اپنی بنا بیٹھے ہو، اس جھوٹی شخصیت کا اس تنگ رستے سے داخل ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔

حضرت رسول اکرم ﷺ کو جو تمثیل بتائی گئی ہے وہ چونکہ بالکل صحیح انہیں الفاظ میں محفوظ ہے جن میں خدا نے آپ سے فرمائی، اس لئے اس میں ایک زیادہ حکمت کی بات دکھائی دیتی ہے اور مسیح کو جو تمثیل بتائی گئی ممکن ہے وہ بھی ایسے ہی الفاظ میں بتائی گئی ہو مگر بعد میں کچھ تبدیلی واقع ہوگئی ہو۔ لیکن ایک بنیادی فرق ہے جسے میں ظاہر کرنا چاہتا ہوں وہ فرق یہ ہے کہ مسیحؑ کو یہ کہا گیا ہے یعنی مسیحؑ کی طرف یہ بات منسوب ہوئی ہے کہ:

''اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا

اس سے آسان ہے“

یہ فرمایا گیا ہے اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا زیادہ آسان ہے۔ دولت مند کا خدا کی بادشاہی میں داخل ہونا ممکن نہیں، اس سے زیادہ مشکل ہے۔

اب یہ جو تمثیل ہے یہ کلیۃً ہر دولت مند کو ہمیشہ کے لئے مایوس کرنے والی ہے۔ اس کے لئے کوئی نجات کا رستہ نہیں چھوڑتی۔ لیکن قرآن کریم نے جو تمثیل تکبر کے تعلق میں بیان فرمائی ہے اس میں فرمایا ہے ”یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گزر جائے“ یعنی اس کے گزر جانے کا امکان موجود ہے۔ تلاش کرو وہ کون سا رستہ ہے اور تکبر کے تعلق میں رستہ، عجز کا رستہ ہے، انکسار کا رستہ ہے، اپنی حقیقت کو پہچاننے کا رستہ ہے۔ جب تکبر چھوڑ کر انسان عجز میں داخل ہوتا ہے تو اپنے آپ کو وہ کیڑا سمجھنے لگتا ہے جس کا ہر باریک سوراخ سے نکلنا آسان ہو جاتا ہے۔

کرمِ خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار (درثمین صفحہ:25)

یہ ہے اس کو جواب تکبر کے مقابل پر وہ کیا چیز ہے جو انسان اختیار کرے تو پھر واقعۃً سوئی کے ناکے سے گزر جائے گا۔ پس قرآن کریم کا عجیب کلام ہے۔ حیرت انگیز فصاحت و بلاغت پر مشتمل اور کیسے کیسے گہرے حکمتوں کے راز ہمیں سمجھاتا ہے، ہم پر روشن کرتا ہے۔

پس امیروں نے اگر واقعۃً جنت کی طمع رکھنی ہے اور امید رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ان کو جنت میں داخل فرمائے گا، رمضان مبارک یہ پیغام لے کے آیا ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی غلامی میں اور آپؐ کی پیروی میں جو پہلے خرچ کرتے تھے اس سے بہت زیادہ خرچ کرو اور اپنے نفس کو چھوٹا کرنے کی کوشش کرو۔ اپنی حرصوں کو کم کرو کیونکہ جب تک تمہارا طمع کا وجود تمہیں نہیں چھوڑتا اس وقت تک تمہارا بدن ہلکا نہیں ہو سکتا اور تم چھوٹے نہیں ہو سکتے۔

یہ رمضان اس پہلو سے ہر انسان کے لئے ایک پیغام لے کے آیا ہے جسموں کے لئے بھی یہ زائد چربیوں کے پگھلانے کے دن ہیں وہ جو تن آسان ہیں اور امیر کھا کھا کر موٹے ہو جاتے ہیں اور کام کی توفیق کم ملتی ہے ان کے لئے بھی یہ رمضان ایک خوشخبری لے کے آیا ہے۔ ان بیماروں کے لئے بھی لایا ہے جو کم کھانے کے باوجود پھر بھی موٹے ہو جاتے ہیں۔ یہ پتلا کرنے والا مہینہ ہے۔ پس

اگر یہ چربی جو روحانی طور پر کسی انسان پر چڑھتی ہے اسے گلانا ہے تو رمضان وہ گرمی لے کر آیا ہے جو اس چربی کو پگھلا دیتی ہے۔ اگر جسمانی چربی کو کم کرنا ہے تو روزے اس میں تمہارے مدد ہوں گے اور تمہیں پہلے سے بہتر حال میں چھوڑ دیں گے۔ یہ وہ مضمون ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا۔ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہر چیز کو پاک کرنے کے لئے اس کی ایک زکوٰۃ ہوتی ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے۔'' (ابن ماجہ کتاب الصیام حدیث نمبر: 1735)

اب اسے صرف روح کی زکوٰۃ نہیں فرمایا۔ روح کی زکوٰۃ بھی ہے مگر یہاں خصوصیت سے جسم کی زکوٰۃ کا ذکر فرمایا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے یہ جامع الصغیر سے لی گئی ہے۔ ''صُوْمُوْا تَصِحُّوْا '' اگر تم صحت مند ہونا چاہتے ہو تو روزے رکھو۔ تمہاری ضرورت سے زائد چربیاں پگھلیں گی اور ہلکا بدن اختیار کرنے کی توفیق ملے گی۔

پھر فرمایا:

''صبر کے مہینے یعنی رمضان کے روزے سینے کی گرمی اور کدورت دور کرتے ہیں۔'' (جامع الصغیر)

رمضان تو خود گرمی کا نام ہے پھر یہ سینے کی گرمی اور کدورت کیسے دور کرتا ہے۔ اگر خالصۃً طبّی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو کیلسٹرول Cholesterol کو کم کرتا ہے جو سینے کی جلن کا موجب بنتا ہے جب وہ خون کی نالیوں میں بیٹھتا ہے اور اس کے نتیجے میں نالیاں تنگ ہوتیں اور خون دل تک صحیح مقدار میں پہنچتا نہیں ہے تو سینے میں ایک آگ سی لگ جاتی ہے اور آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ رمضان سے یہ فائدے بھی اٹھاؤ۔ تمہارے سینے میں جو جلن ہوتی ہے کوئی اس کو Heart Burn کہہ رہا ہے کوئی Angina کی وجہ سے جل رہا ہے۔ کئی قسم کی بیماریاں سُستیوں کے نتیجے میں انسان کو لاحق ہو جاتی ہیں۔

فرمایا ہر دفعہ رمضان کی بھٹی سے نکلو گے تو تمہاری ضرورت سے زیادہ چربیاں پگھلیں گی اور تمہارے سینوں کو سکون ملے گا اور ٹھنڈ نصیب ہو گی اور روحانی لحاظ سے بھی یہ تینوں چیزیں اپنی جگہ

صحیح طور پر صادق آ رہی ہیں اور اطلاق پاتی ہیں۔ ہر چیز کو پاک کرنے کی ایک زکوۃ ہوتی ہے۔ رمضان جسم کے ظاہر و باطن کی زکوۃ ہے، یہ مراد ہے۔ یہ عجیب مہینہ ہے کہ ظاہر طور پر بھی جسم کی زکوۃ بن رہا ہے اور روحانی طور پر بھی جسم کی زکوۃ بن رہا ہے یعنی اس کے لئے روحانی طور پر جو چربیاں چڑھی ہوئی ہیں وہ پگھلانے کے دن ہیں اور مال اور دولت جمع کرنے کے برعکس رمضان مبارک میں آنحضرت ﷺ کی سنت جو بہت کثرت سے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی طرف ہمیں بلاتی ہے یہ اس روحانی چربی کا علاج ہے۔ اس سے انسان کے اندر کئی قسم کی جو میلیں جمع ہو جاتی ہیں دنیا کی محبت کی، وہ صاف ہوتی ہیں اور انسان پھر ایک سال کے لئے نسبتاً ہلکے روحانی اور جسمانی بدن کے ساتھ دنیا میں لوٹتا ہے اور اگلے رمضان کی انتظار کرتا ہے۔ کچھ ایسے ہیں جو کوشش کر کے اپنے آپ کو اسی حالت پر قائم رکھتے ہیں، کچھ ہیں جو پھر طبعاً واپس لوٹتے ہیں اور پھر اگلا رمضان آتا ہے اور ان کے لئے سب برکتیں لے کر آتا اور بہت سی برکتیں پیچھے چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ اب صرف پندرہ سولہ دن باقی ہیں اس لئے جماعت کو چاہئے کہ اس پہلو سے بھی رمضان سے استفادہ کرنے کی بھر پور کوشش کریں۔

یہ جو خدا کی راہ میں خرچ کرنا ہے یہ کئی طرح سے ہے۔ بنیادی طور پر تو پہلے نیت درست اور صحت مند ہونی چاہئے کہ جو میں خرچ کر رہا ہوں اللہ کی خاطر کر رہا ہوں۔ اس ضمن میں ایسے لوگوں کے لئے بھی موقع ہے حالانکہ بہت چھوٹی سی بظاہر بات ہے، جو اپنی بیویوں اور بچوں سے کنجوسی کرتے ہیں اور طبعاً کنجوس واقع ہوئے ہیں۔ اگر رمضان مبارک میں ان کو خیال آئے کہ اللہ نے کہا ہے خرچ کرو تو ہم گھر سے کیوں نہ شروع کریں۔ بیوی بچوں کو بھی کچھ سہولت دے دیں۔ تو بظاہر یہ بیوی بچوں پر خرچ ہے مگر ہے خدا کی خاطر اور حضرت رسول اکرم ﷺ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ خدا کی محبت میں کہ خدا راضی ہو اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ بھی ڈالو گے تو عبادت ہے۔ تو یہ نیکی گھر سے شروع ہو تو دیکھو کتنے گھروں کے حالات سدھار دے گی کیونکہ مجھے اطلاعیں ملتی رہتی ہیں بعض لوگ طبیعت کے درشت ہوتے ہیں سخت مزاج اور بیوی بچوں کو کافی تنگی میں ڈالتے ہیں اور خود باہر نکلتے ہیں اور باہر ہوٹلوں وو ٹلوں میں جا کے کھانا کھاتے ہیں یا دوستوں میں بیٹھ کر اپنے چسکے پورے کر لیتے ہیں اور گھر میں وہی بے چاری سوکھی دال روٹی جس سے زیادہ کی توفیق ہے خاوند کو لیکن بیوی کو نہیں دیتا۔ تو

یہاں سے پہلے خرچ شروع کریں نا۔

اپنے گھروں کی حالت درست کریں ان کے حقوق ادا کریں پھر اپنے گردوپیش پر نظر ڈالیں۔ اپنے غریب بھائیوں اور ہمسایوں کے حقوق ادا کریں۔ وہ جو ضرورت مند دنیا میں تکلیفوں میں مبتلا ہیں۔ کشمیر کے مظلوم ہوں یا بوسنیا کے مظلوم ہوں، ان کی طرف پہلے سے بڑھ کر توجہ کریں۔ صدقات کے لئے ہاتھ کھولیں۔ چندوں میں آگے بڑھیں اور زکوٰۃ اگرچہ ان معنوں میں فرض نہیں ہے جن معنوں میں قرآن کریم میں مذکور ہے جن حالات میں وہ حالات آج کل ویسے صادق نہیں آرہے اس لئے آج سے ان معنوں میں وہ فرض نہیں رہی لیکن زکوٰۃ بھی ایک چیز ہے جس کو لفظاً بھی اگر پورا کیا جائے تو ایک بڑی نیکی ہے۔

کیوں میں نے کہا ہے کہ ان حالات میں موجودہ حالات میں اس طرح صادق نہیں آرہی اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ اصل میں اڑھائی فیصد چندے کا نام ہے اور زکوٰۃ کے مصارف میں ٹیکس بھی ہیں، حکومت کے کام بھی ہیں، ملکی مفادات کے کام بھی ہیں اور غریبوں پر خرچ بھی ہے، خدمت دین بھی ہے۔ آج کل جو حکومتیں ٹیکس لیتی ہیں وہ دنیا والا حصہ تو اتنا زیادہ وصول کر لیتی ہیں کہ جن سے وصول کرتی ہیں بعض دفعہ وہ زکوٰۃ کے محتاج بن جاتے ہیں بے چارے، اگر وہ دیانتداری سے ادا کریں تو۔ اس لئے جہاں تک ٹیکسوں کا معاملہ ہے وہ حق تو حق سے بڑھ کر ادا ہو گیا اور جہاں تک دینی ضروریات کا تعلق ہے جماعت اتنا خرچ کر رہی ہے کہ اڑھائی فیصدی کو تو اپنے سے بہت نیچے دیکھتی ہے۔ ایسے چندہ دہندہ ہیں جو ساڑھے چھ فیصدی باقاعدہ دے رہے ہیں پھر اس کے علاوہ خدا کے فضل کے ساتھ دس فیصدی باقاعدہ دے رہے ہیں پھر اس کے علاوہ خدا کے فضل کے ساتھ دس فیصدی بھی دے رہے ہیں۔ پھر اس سے بڑھ کر ہر اپیل پر، ہر قربانی کے رستے پر ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے ہوئے خرچ کرتے ہیں تو اس لئے یہ نہیں میں کہہ رہا کہ زکوٰۃ واجب نہیں رہی، ان معنوں میں وہ اطلاق نہیں پا رہی کہ زکوٰۃ میں جتنا خرچ کرنے کی اللہ مومن سے توقع رکھتا ہے، اسی کے فضل سے، اسی کی دی ہوئی توفیق سے، جماعت احمدیہ اس سے بہت زیادہ انہی نیک کاموں پر خرچ کر رہی ہے۔ خواہ وہ حساب زکوٰۃ کا لگائے یا نہ لگائے زکوٰۃ تو دے رہی ہے۔

لیکن بعض دفعہ یہ بھی لطف آتا ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے زمانے میں

طریق رائج تھا اسی کے مطابق بھی ہم بھی کچھ دیں اور اس طریق پر عمل کرنے کے لئے خصوصیت سے ان لوگوں کے لئے رستہ کھلا ہے جو اپنے تجارتی اموال ایک لمبے عرصے تک اپنے پاس روک کر رکھتے ہیں یا بہت دیر تک اپنے بینک بیلنس میں رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ نصاب کا ایک سال گزر جاتا ہے یا وہ عورتیں ہیں جن کے پاس زیور پڑے ہوئے ہیں اور وہ اپنے غریب بہن بھائیوں کے استعمال میں ان کو نہیں لاتیں اور اپنی خوشیوں میں یعنی زیور پہننے کی خوشیوں میں ان کو شریک نہیں کرتیں ان پر بھی یہ زکوٰۃ عائد ہوتی ہے تو باوجود اس کے کہ وہ ٹیکس بھی زیادہ دے رہے ہیں باوجود اس کے کہ وہ چندے بھی زیادہ دے رہے ہیں۔ جماعت میں ایک طبقہ ایسا ضرور ہے جو زکوٰۃ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بغیر کسی میری تحریک کے وہ طبقہ از خود زکوٰۃ دیتا چلا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ جب مجھے رپورٹیں ملتی ہیں اور میں نظر رکھتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں کہ ہر سال اللہ کے فضل سے اس میں اضافہ ہو رہا ہے اور باہر کے ملکوں میں بھی ہے۔ تو میں اس واسطے دوبارہ آج یاد دہانی کرا رہا ہوں کہ وہ لوگ جن کا ذہن اس طرف نہیں جاتا اور اپنے دل کو جائز طور پر مطمئن کرتے ہیں، ناجائز طور پر نہیں کہ ہم نے حکومت کے حق بھی ادا کر دیئے اور قرآن نے جو نافذ کئے اس سے بڑھ کر ادا کئے۔ اللہ کا حق بھی اور اس کے بندوں اور غریبوں کا حق بھی ادا کیا اور جیسا قرآن چاہتا تھا اس کے کم سے کم مقرر کردہ معیار سے بہت بڑھ کر ادا کیا۔ یہ کہہ کر دلوں کو مطمئن کرتے ہیں مگر اگر ان سے یہ سوال کیا جائے کہ کبھی زکوٰۃ دی ہے کہ نہیں زکوٰۃ کے وقت ہمیشہ ذہن میں وہی اڑھائی فیصد آئے گا اور انہی شرائط کے ساتھ آئے گا جن شرائط کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے زمانے میں اس پر عمل ہوتا تھا تو تبرک کے لئے، برکت کی خاطر اور اپنی نیکی کو خواہشات کو ایک اور رنگ میں پورا کرنے کی خاطر، ایک اور رنگ میں ان خواہشات کی پیاس بجھانے کی خاطر زکوٰۃ کو بھی پیش نظر رکھیں۔

پس ہر طرح سے بدن کی بھی زکوٰۃ دیں اور اپنے دل اور روح کی بھی زکوٰۃ دیں اپنے سارے وجود کی زکوٰۃ دیں اور یہ زکوٰۃ دینے کے بعد جیسا کہ زکوٰۃ کے مفہوم میں شامل ہے انسان کے کچھ بوجھ گر جاتے ہیں اور کچھ طاقتیں بڑھ جاتی ہیں۔ زکوٰۃ کے نتیجے میں دو باتیں بیک وقت ظاہر ہو رہی ہوتی ہیں ایک یہ کہ بوجھ کم ہو رہے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان کی اعصابی قوتیں اور اس کی عضلاتی قوتیں بڑھ رہی ہوتی ہیں تو رمضان سے جب ایسے وجود نکلتے ہیں تو چونکہ کم بوجھ لے کر آگے بڑھنا

ہے رفتار ویسے ہی تیز ہو جاتی ہے مگر چونکہ جسمانی اور روحانی طاقتوں میں اضافہ ہو چکا ہوتا ہے اس لئے پہلے سے کئی گنا زیادہ رفتار آگے بڑھ جاتی ہے۔ پس یہ بہت ہی اچھا نسخہ ہے دینی اور دنیاوی طور پر ترقیات کی راہ پر پہلے سے زیادہ تیزی سے گامزن ہونے کا کہ رمضان سے رمضان کی زکوۃ دیتے ہوئے گزریں۔

ایک اور حدیث ہے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے متعلق۔ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ”رسول کریم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں آپ کی سخاوت اور بھی زیادہ ہو جاتی تھی اور جبرائیل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے تھے اور قرآن کریم کا دور کرتے تھے۔ رسول کریم ﷺ ان دنوں تیز آندھیوں سے بھی زیادہ سخاوت فرمایا کرتے تھے۔“

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام رمضان کی روح کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ”رمض سورج کی تپش کو کہتے ہیں۔ رمضان میں چونکہ انسان اکل وشرب اور تمام جسمانی لذتوں پر صبر کرتا ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کے احکام کیلئے ایک حرارت اور جوش پیدا کرتا ہے۔ روحانی اور جسمانی حرارت اور تپش مل کر رمضان ہوا۔“

آپ میں سے اکثر جو عربی نہیں جانتے وہ اس بات کو سمجھ نہیں سکے ہوں گے کہ مل کر کیسے رمضان ہوا۔ اس لئے کہ رمض کا مطلب ہے گرمی اور رمضان کے معنی ہیں دو گرمیاں۔ تو فرمایا کہ رمضان میں ان دونوں گرمیوں کا ملنا ضروری ہے تب رمضان بنے گا اور یہ وہی بات ہے جو میں اس سے پہلے آپ کے سامنے رکھ چکا ہوں کہ جسمانی زکوۃ بھی دیں اور روحانی زکوۃ بھی دیں۔ تب جا کر یہ صحیح معنوں میں رمضان بنے گا یعنی دونوں گرمیاں آپ کو نصیب ہوں گی۔

> ”.... اہلِ لغت جو کہتے ہیں کہ گرمی کے مہینہ میں آیا اس لئے رمضان کہلایا میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ (یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے) کیونکہ عرب کے لئے یہ خصوصیت نہیں ہوسکتی....“

فرمایا رمضان تو ساری دنیا کے لئے ہے اور سخت ٹھنڈے علاقوں کے لئے بھی ہے اگر یہ حکمت بیان کی جائے اس لئے رمضان کہتے ہیں کہ گرمیوں میں آیا تو یہ ویسے ہی درست بات نہیں

ہے اور جہاں تک میں نے پرانی تقویم کے ذریعے اس زمانے کا حساب لگایا ہے جب رمضان فرض ہوا ہے تو وہ تو گرمیوں کے روزے ہی نہیں تھے وہ تو سردیوں کے روزے بنتے ہیں مثلاً رمضان بدر میں مارچ کے مہینے میں آیا ہے اور اس کے بعد جوں جوں آگے بڑھتے ہیں فتح مکہ کی طرف، یہ سردیوں کی طرف مائل رہا ہے نہ کہ گرمیوں کی طرف۔ اس لئے پتا نہیں کیوں پرانے بزرگوں نے یہ لکھ دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ گرمیوں کے مہینے میں اترا ہی نہیں ہے یعنی رمضان کی فرضیت گرمیوں کے مہینے میں نہیں ہوئی۔ زیادہ سے زیادہ اسے اپریل کا مہینہ کہہ سکتے ہیں اس سے آگے نہیں۔ اس لئے وہ چونکہ ملک ویسے ہی گرم ہے بعض دفعہ ہمارے ملک میں بھی پاکستان میں بھی مارچ اپریل میں بڑی سخت گرمی ہو جاتی ہے تو جہاں گرمیوں کی روایتیں ہیں لمبے سفر کے موقع پر شاید اس سے اندازہ لگا کر بعض لکھنے والوں نے لکھ دیا کہ گرمیوں کے مہینے میں رمضان آیا ہوگا۔ مگر آپ حساب لگا کے دیکھ لیں رمضان شروع ہی گرمیوں کے مہینے ختم ہونے کے بعد سردیوں کے مہینوں کے آغاز میں ہوا ہے۔ بہر حال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام ویسے ہی اس دلیل کو رد فرما رہے ہیں۔ رمضان ساری دنیا کے لئے ہے۔ دنیا میں بہت ٹھنڈے ملک بھی ہیں، بہت گرم ملک بھی ہیں اس لئے اس کے روحانی معنوں کو تلاش کرو، چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:

”روحانی رمض سے مراد روحانی ذوق وشوق اور حرارت دینی ہوتی ہے۔ رمض اس حرارت کو بھی کہتے ہیں جس سے پتھر گرم ہو جاتے ہیں....“

(ملفوظات جلد اول صفحہ: 136)

یعنی خصوصیت سے وہ حرارت جس سے باہر پڑے ہوئے پتھر گرم ہو جاتے ہیں اس کے لئے بھی لفظ رمضان عربی میں استعمال ہوتا ہے۔ پس مراد یہ ہے کہ ایسے موقع پر ہر قسم کے انسان اس سے گرمی پاتے ہیں یا روحانی طور پر فیض پاتے ہیں۔ بعض لوگ مزاج کے پتھر دل بھی ہوتے ہیں سخت دل بھی ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رمضان کے مہینے کا کچھ نہ کچھ فیض ان کو بھی پہنچ جاتا ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ البقرہ: 186) ”کہ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا“ سے ماہ رمضان کی عظمت

معلوم ہوتی ہے۔صوفیاء نے لکھا ہے کہ یہ ماہ تنویر قلب کے لئے عمدہ مہینہ ہے۔
کثرت سے اس میں مکاشفات ہوتے ہیں۔صلوٰۃ تزکیہ نفس کرتی ہے اور صوم
تجلی قلب کرتا ہے۔تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفس امارہ کی شہوات سے بُعد
حاصل ہو جائے اور تجلی قلب سے مراد یہ ہے کہ کشف کا دروازہ اس پر کھلے کہ خدا
کو دیکھ لے‘‘ (ملفوظات جلد دوم صفحہ:561)

یہ بہت ہی اہم اقتباس ہے اور یہ میں مزید کھول کر بیان کرنا چاہتا ہوں۔حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کلام فرما رہے ہیں یہ گہرے ذاتی تجربے سے بیان فرما رہے ہیں۔کوئی سنی سنائی بات نہیں ہے بلکہ اس کی طرز بتاتی ہے کہ ایک صاحب تجربہ ہے جو ایک بہت ہی عمدہ راز کو پا گیا اور اس راز میں دوسروں کو شریک کرنے کے لئے بلا رہا ہے۔

تنویر قلب کیا ہوتی ہے؟ فرمایا۔کثرت سے اس میں مکاشفات ہوتے ہیں،صوفیاء نے تو اتنا کہا ہے کہ یہ تنویرِ قلب کا مہینہ ہے۔تنویرِ قلب سے مراد ہے دل روشنی پا جائے۔پس مکاشفات ہوں، سچی خوابیں آئیں یا الہامات ہوں یہ ساری تنویرِ قلب کی علامتیں ہیں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر مزید یہ فرمایا ہے ’’صلوٰۃ تزکیہ نفس کرتی ہے‘‘ یہ پہلے ہونا ضروری ہے تنویرِ قلب یونہی نہیں حاصل ہو جایا کرتی۔پہلے عبادتوں کو درست کرو اور نماز پڑھو گے تو وہ دل کا تزکیہ کرتی ہے۔اس کو پاک کرتی ہے۔کس طرح پاک کرتی ہے؟ نفس امارہ کی شہوات سے بُعد حاصل ہو جاتا ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ (العنکبوت:165)

کا مضمون ہے جو بیان فرما رہے ہیں۔فرماتے ہیں کہ جب تک فحشاء اور بغی و منکر سے تم باز نہیں آتے اس وقت تک تنویرِ قلب کہاں سے حاصل کرلو گے۔وہ تو بعد کا مقام ہے اور فرمایا نمازِ پہلے تزکیے کا کام کرتی ہے۔

پس رمضان مبارک میں نماز کی طرف خصوصیت سے توجہ دینی ضروری ہے اور ایسی نماز پڑھنی چاہئے جس کے نتیجے میں انسان اپنے بدن سے بدیاں جھڑتے ہوئے دیکھ لے اپنی روح کے بدن کو پہلے کی نسبت ہلکا ہوتا ہوا دیکھ لے اور ہر انسان اگر بالا رادہ طور پر نگاہ رکھے کہ میں دیکھوں مجھے رمضان میں نمازوں نے کیا فائدہ پہنچایا تو اس کے لئے اس کی پہچان ناممکن نہیں ہے بلکہ آسان ہے۔اس لئے اس بالا رادہ کوشش میں داخل ہو جائیں۔یعنی رمضان میں جتنے دن باقی

ہیں اس میں نمازیں پڑھتے ہوئے جب نماز کے مضمون پر غور کریں گے تو اس وقت آپ کو سمجھ آئے گی کہ جو کچھ آپ خدا سے مانگ رہے ہیں آپ کا عملی قدم اس طرف نہیں ہے کہتے ہیں۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کتنی دفعہ پڑھتے ہیں؟ ہر نماز میں ہر رکعت میں لازماً پڑھنا پڑھتا ہے اور کہتے ہیں اے خدا ہمیں صراط مستقیم پر چلا۔ صراط مستقیم ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام نازل فرمائے نہ کہ ان لوگوں کی جو صراط مستقیم پر چلنے کے باوجود غضب کا مورد بن گئے یعنی اس صراط کے حق ادا نہ کئے۔ آغاز میں ان کو اس راہ پہ ڈالا گیا مگر اس راہ کے حقوق ادا نہ کرنے کے نتیجے میں وہ مغضوب ہو گئے۔ وَلَا الضَّآلِّيْنَ اور نہ ان کا رستہ جو اس راہ کو ہی چھوڑ بیٹھے اور گم گشتہ راہ ہو گئے۔

اب سوال یہ ہے اتنی بڑی دعا کچھ تقاضے بھی کرتی ہے کہ نہیں۔ ایک انسان جب یہ سوچے کہ منعم علیہ گروہ تھے کون؟ وہ کون لوگ تھے جن پر اللہ کی طرف سے انعام نازل ہوئے اور پھر اس مضمون کو اپنی ذات پر صادر کر کے دیکھے کہ مجھ میں کتنی علامتیں پائی جاتی ہیں اور پھر مغضوب علیھم کا تصور کرے۔ بگڑے ہوئے یہودیوں کے حالات آپ کے سامنے ہیں۔ کیا کیا ان میں برائیاں تھیں۔ اگر اس وقت کی تاریخ آپ کے سامنے نہیں تو اس زمانے کی تاریخ تو ہے نا؟ کیونکہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے یہ مضمون آسان کر دیا ہے۔ فرمایا میری امت بھی، جو لوگ میری طرف منسوب ہوتے ہیں ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ یہود کے زیادہ مشابہ ہو جائیں گے اور ایسے مشابہ ہو جائیں گے کہ جیسے ایک جوڑے کی ایک جوتی اس جوڑے کی دوسری جوتی کے مشابہ ہوتی ہے تو وہ علامتیں یہاں دیکھ لیجئے اس میں کون سی مشکل ہے۔ جو آج کل کی بگڑی ہوئی مسلمان سوسائٹی میں جہاں جہاں خرابیاں پائی جاتی ہیں ان کو دیکھنا اور پہچاننا کوئی مشکل کام تو نہیں ہے ان میں جھوٹ ہے، ان میں دوسروں کے حقوق غصب کرنے ہیں، ان میں حرص و ہوا کی خاطر جھوٹے مقدمات بنانے ہیں، ان میں گواہیوں کے وقت جھوٹ بولنا ہے، حرص و ہوا کا اتنا غلبہ کہ جائز ناجائز کی تمیز بالکل اٹھ جائے اور جھگڑے کرنا اور گالی گلوچ کرنا اور تکلیفیں دے کر لذتیں محسوس کرنا اور اس بات پر فخر کرنا کہ ہم سے بڑا جھگڑالو کوئی نہیں۔ ہم بڑے کپتے لوگ ہیں ہم ایسا کریں گے اور وہ کریں گے۔ یہ چند ایک علامتیں ہیں جو میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ کون ان سے ناواقف ہے۔

اور غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کہتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے ان علامتوں میں سے

کوئی نہیں چھوڑنی۔اے اللہ لگالے زور، بنالے ہمیں نیک، ہم نے نہیں ہٹنا اس بات سے۔ یہ کیسی دعا ہے۔ یہ تو گستاخی ہے۔اس لئے جب بھی آپ یہ دعا کرتے ہیں تو سوچیں تو سہی کہ کون کون سی باتیں آپ میں پائی جاتی ہیں۔شروع شروع میں چند دکھائی دیں گی کیونکہ یہ اندھیرے کا مضمون ہے۔ جب روشنی سے اندھیرے کمرے میں جاتے ہیں تو ایک دم تو نہیں سب کچھ دکھائی دیتا۔آہستہ آہستہ دکھائی دیتا ہے تو پہلے آپ کو بعض موٹی موٹی برائیاں نظر آئیں گی کہ ان سے بچنا ہے۔ جب وہ دیکھ لیں گے اور پہچان لیں گے اور دعا میں شامل کرلیں گے تو آپ کی پاک نیت اس دعا کی قبولیت میں مددگار ہو جائے گی اور اس کے نتیجے میں وہ برائیاں دور کرنا بہت زیادہ آسان ہو جائے گا۔ کچھ آپ کی کوشش ہوگی کچھ آسمان سے فضل نازل ہوگا اور پھر جب اپنی طرف سے آپ اپنے آپ کو پاک کر لیں گے تو آنکھوں کی روشنی کچھ بڑھے گی اور اندھیروں کی ظلمت کچھ کم ہوگی اور آپ دیکھیں گے کہ اوہو یہاں تو یہ بھی ٹھوکر تھی اور یہ بھی ٹھوکر تھی۔اس سے بھی تو ہم نے پاک ہونا ہے یہ بھی تو مغضوب کی نشانیاں ہیں اور اس طرح آپ پر اپنا وجود روشن ہونے لگ جائے گا۔

یہی مضمون ہے جس کا قرآن کریم بار بار اس طرح ذکر فرماتا ہے کہ وہ یعنی پاک نبی محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کی تعلیمات اور قرآن اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالنے والے ہیں۔ اندھیرے موجود ہیں یہ نہ سمجھیں کہ نہیں ہیں اس سے روشنی کی طرف نکلنا یہ رستہ چاہتا ہے جو میں دکھا رہا ہوں اور صراط مستقیم پر چلتے ہوئے صراط مستقیم کی دعا مانگنے کا یہ مطلب ہے جسے سمجھتے ہوئے آپ کو استغفار کے ساتھ یہ دن گزارنے چاہئیں۔ پہلے اگر یہ نمازیں ضائع ہوگئیں اور ان سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔اب جو نمازیں رمضان میں آپ پڑھیں گے ان میں اس مضمون کو پیش نظر رکھتے ہوئے کوشش کریں کہ یہ تزکیہ نفس کا موجب بنیں۔ جب تزکیہ نفس ہوگا تو پھر تنویر قلب تو آنی ہی آنی ہے، تنویرِ قلب دل کی روشنی کا نام ہے، اندھیروں کے ہوتے ہوئے تنویر کیسے ہوسکتی ہے۔ یہ تو دو متضاد باتیں ہیں۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل:82) یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ حق آجائے اور باطل بھی وہیں ٹھہرا رہے۔اس کا برعکس یہ ہے کہ پہلے اندھیرے دور کرو تو پھر روشنی آئے گی۔ پس دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ کا منور ہونا جو ہے یہ دراصل وہی مضمون ہے جس سے میں نے بات کا آغاز کیا تھا۔

ظاہری چراغ آپ کو نہ بھی جلانے دے کوئی۔ تو کیا فرق پڑتا ہے؟ اگر آپ کے دلوں میں خدا تنویر پیدا فرمادے آپ کے دلوں میں چراغ روشن کر دے تو خدا کی قسم تمام دنیا کی پھونکیں بھی ان چراغوں کو نہیں بجھا سکیں گی۔ یہ روشنی تو بڑھے گی اور پھیلے گی اور آگے آگے چلے گی اور باقی دنیا کو بھی روشن سے روشن تر کرتی چلی جائے گی اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)